

نبوت پر امامت کی برتری کا معیار

<?xml encoding="UTF-8">

سوال: مقام امامت کو رسالت اور نبوت پر کیا فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر منت رکھتا ہے کہ امتحان کے ختم ہونے پر انہیں امام قرار دیا؟ اور اگر مقام امامت نبوت سے برتر ہے تو حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام، مسلمانوں کے اتفاق نظر کے مطابق کیسے مفضول اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاضل ہیں؟ مختصر یہ کہ "امامت" کی "نبوت" پر برتری کو بیان فرمائیے؟

جواب: خدائے متعال نے یہ جملہ : (بقرہ ۱۲۴)

"ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں"

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا جبکہ وہ مسلّم نبی، رسول اور اولوالعزم نبیوں میں سے صاحب شریعت اور صاحب کتاب تھے مزید قدرتی طور پر نبوت و رسالت کے ہمراہ ہدایت و دعوت کی ذمہ داری بھی رکھتے تھے اور خدائے متعال نے چند جگہوں پر اپنے کلام میں امام کی توصیف میں فرمایا: (انبیاء ۷۳)

"پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں"

اور ہدایت کی صفت کو "امام" کا معرّف قرار دیا ہے۔

یہاں پر معلوم ہوتا ہے کہ امام کی ہدایت، نبی کی ہدایت کے علاوہ ہے اور مسلّم طور پر نبی کی ہدایت دعوت اور تبلیغ ہے اور ہدایت کی اصطلاح راستہ دکھانے اور راہنمائی کرنے کا معنی ہے۔ اس لئے ہدایت کو امام میں مطلوب تک پہنچانے کے معنی میں لینا چاہئے۔ پس امام، چونکہ معارف اور احکام کو بیان کرنے کی ذمہ داری رکھتا ہے اور اعمال کو ادارہ کرنے کی مسئولیت بھی رکھتا ہے، اور اشخاص کی باطنی نشو و نما، اعمال کو خدا کی طرف ہدایت کرنا اور انہیں مقاصد تک پہنچانا بھی امام کا کام ہے۔ چنانچہ لوگوں کے اعمال امام کے سامنے پیش کرنے، ہر شخص کے موت کے وقت امام کے پہنچنے، قیامت کے دن لوگوں کو اپنے امام کے ساتھ بلانے، نامہ اعمال کی تقسیم اور حساب کا امام کی طرف رجوع سے متعلق روایتیں اس مطلب کی دلالت کرتی ہیں۔

شیعوں کے عقیدہ کے مطابق، زمین کسی بھی وقت امام سے خالی نہیں ہوتی ہے اور اس لحاظ سے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور رسول ہو نے کے علاوہ اپنے زمانہ میں امام بھی تھے اور نبوت، رسالت اور امامت کے نتیجہ میں حضرت علی علیہ السلام سے افضل ہیں، چنانچہ امت کا اجماع و اتفاق بھی اسی کی دلالت کرتا ہے۔

خدائے متعال، خالق موجودات

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں: تمام موجودات اور ہستی نے خدائے متعال سے سرچشمہ لیا ہے، لہذا کلی طور پر سب مخلوقات خدا کی وحدت وجود کے زمینہ میں ہیں، لیکن ہم ہستی کو مختلف صورتوں میں پاتے ہیں، مثلاً بعض کو درخت، پتھر آدم وغیرہ کی صورت میں دیکھتے ہیں، اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا جواب کیا ہے؟

جواب: جو برہان واستدلال کا ثبات کے لئے خدا کو ثابت کرتے ہیں، وہ کائنات کو خدا کا ”فعل“ اور خدا کو کائنات کا ”فاعل“ کے طور پر تعارف کراتے ہیں اور بدیہی ہے کہ فعل فاعل کے علاوہ ہونا چاہئے اور اگر فعل عین فاعل ہو تو، شئے ”فاعل“ اپنے وجود ”فعل“ سے پہلے موجود ہونی چاہے، لہذا کائنات خدا کے علاوہ ہے اور اس بناء پر یہ جو کہا گیا ہے: ”کلی طور پر سب چیزیں خدا کی وحدت وجود کے زمینہ میں ہیں“ غلط ہے

کیا مخلوقات، وہم و خیال ہیں ؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم دیکھتے اور تصور کرتے ہیں جیسے: پتھر، درخت اور انسان، یہ سب وہم و گمان ہیں بلکہ خود ہمارا وجود بھی ایک خیال ہے، مہر بانی کر کے اس سوال کا جواب بیان فرمائیے۔

جواب: جو یہ کہتا ہے: جو کچھ ہم دیکھتے یا تصور کرتے ہیں وہ وہم و خیال ہیں اگر وہ اس بات کو سجدگی کے ساتھ کہتا ہے، تو اس کے بقول، خود اس کی یہ بات کہ ”سب چیزیں خیال ہیں“ وہم و خیال ہے اور اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ہے۔

جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں انہیں سوفسطائی کہا جاتا ہے یہ لوگ یا تو نفسیاتی بیمار ہیں یا بد نیتی کی بنا پر مغالطہ کرتے ہیں ورنہ جس انسان کی فکر صحیح و سالم ہو اور بدنیتی بھی نہ رکھتا ہو اور کائنات کی خلقت کے بارے میں حقیقت پسند ہو تو وہ حقیقت کا قائل ہو گا۔ یہی کائنات کو وہم و خیال جاننے والے لوگ اپنے لئے اچھی زندگی کو تر تیب دے کر بھوک کے وقت روٹی کے پیچھے دوڑتے ہیں اور پیاس کے وقت پانی کی تلاش کرتے ہیں اور اس وقت یہ نہیں کہتے ہیں کہ روٹی اور پانی وہم و خیال ہے۔

سوال: فرض کریں اگر یہ سب خیال نہ ہو، تو خدا ان سب کے اندر داخل ہوا ہے !

آپ کا جواب کیا ہو گا؟

جواب: جس طرح پہلے سوال کے جواب میں بتایا گیا ہے یہ بات بھی استدلال کے خلاف ہے اور کوئی منطقی دلیل نہیں رکھتی ہے۔

ذات باری تعالیٰ کا کہنا کیا ہے ؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں: ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ذات خدا کی کہنا اور اصلی خود ہم ہیں اور یہ عبارت ”خدا نے ہمیں عدم سے وجود میں لایا ہے“ کوئی مفہوم و دلیل نہیں رکھتی، اصلاً پورا وجود صرف وہی ہے اور اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہے اگرچہ ہم اشیاء کو ظاہری طور پر متنوع اور متغیر دیکھتے ہیں؟ آپ کا جواب کیا ہے ؟

جواب: یہ بات بھی ایک بے دلیل بات اور فاقد برہان دعویٰ ہے۔ ایسے لوگوں کا فہم جو بھی ہو انہی کے لئے حجت ہے دوسروں کے لئے نہیں اور دلیل کے بغیر دعویٰ کی کوئی قیمت و اہمیت نہیں ہے۔

ہوالاؤں والا آخر کے بارے میں صوفیوں کا نظریہ

سوال: صوفی کہتے ہیں: سورہ حدید میں ”ہو الاول والآخر“ کا مقصود حضرت علی علیہ السلام ہیں، چنانچہ مرحوم علامہ مجلسی نے بھی بحار الانور کی آٹھویں جلد میں ایسا ہی نقل کیا ہے اور یہی زمینہ اشتباہات کو وسیع تر کرتا ہے۔ اس بنا پر اگر ہم مذکورہ دعویٰ کو جھٹلا دیں تو ہم نے علامہ مجلسی کی بات کو رد کیا ہے، کیونکہ خدا کی طرف پلٹنے والے ضمائ قرآن مجید میں بہت ہیں، مثلاً:

(شعراء/۷۸)

(شعراء/۸۰)

(زخرف/۶۴)

(حج/۶۲)

(فرقان/۵۸)

اور اس طرح کے ضمائ قرآن مجید میں بسیار ہیں، ہم کیسے سمجھ لیں گے کہ ان ضمائ کا مرجع علی علیہ السلام نہیں ہوں گے جبکہ ان آیات کا سیاق، ان ضمائ کے مرجع کو خدا بتاتا ہے۔ جواب: جو کچھ روایت میں آیا ہے یہ ہے کہ علی علیہ السلام اول و آخر ہیں اور ایک دوسری روایت میں نقل ہوا ہے کہ علی علیہ السلام کے اول و آخر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور آخری شخص ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوئے اور یہ وہ وقت تھا جب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو قبر شریف میں رکھ کر باہر آئے۔ سورہ حدید کے اول کے بارے میں ظاہر سیاق یہ بتاتا ہے کہ ”اول“ سے مراد وہ ہے جس کا وجود عدم سے مسبوق نہ ہو اور ”آخر“ سے مراد یہ ہے کہ جس کا وجود عدم سے ملحق نہ ہو اور وہ خدائے متعال ہے، جیسا کہ فرماتا ہے: (نجم/۴۲)

”اور بیشک سب کی آخری منزل پروردگاری بارگاہ ہے“

ممکنات کی نسبت علیّت واجب

استاد اکبر، میزان المفسرین، علامہ طباطبائی دام بقائ عرض خدمت ہے کہ ”المیزان“ کی پندرھویں جلد کے صفحہ نمبر ۱۱۴۹ اور ۱۵ پر ”فلسفی بحث“ کے عنوان سے، بعض مسائل بیان ہوئے ہیں جن کی وجہ سے حقیر کے ذہن میں مندرجہ ذیل سوال پیدا ہوا: سوال: واجب تعالیٰ کے ”جزء العلة“ ہونے کا معنی کیسے تصور کیا جاسکتا ہے جبکہ قرآن مجید فرماتا ہے: (شوریٰ/۱۱)

”اس کا جیسا کوئی نہیں ہے“

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

”المیزان“ کی پندرھویں جلد طبع تہران کے صفحہ ۱۱۴۹ اور ۱۵ پر کی گئی فلسفی بحث کے بارے میں آپ کا خط ملا۔ اس میں واجب تعالیٰ کی علیّت کے ممکنات کے بارے میں دو مختلف نظریہ بیان کئے گئے ہیں کہ پہلے نظریہ کے مطابق، واجب تعالیٰ علت تامہ کا جز اور دوسرے نظریہ کے اقتضا کے مطابق علت تامہ قرار پایا ہے۔ یہ دو صورتیں آپس میں متقا بل اور متنافی نہیں ہیں جس طرح عام طور پر تصور کیا جاتا ہے بلکہ دوسری صورت

پہلی صورت سے دقیق تر اور مکمل تر ہے ۔

انسان ابتدائی نظریہ میں ایک ضروری ادراک سے ، ممکنہ موجودات میں کثرت اور مغایرت کو درک کرتا ہے اور اس کے بعد اس کثرت کے آحاد میں وجودی وابستگی کو درک کرتا ہے جو عمومی علیّت و معلو لیت کے قانون کی بنیاد ہے اور اس کی وجہ سے ہر ممکن الوجود موجود علیّت کی ضرورت ہے اور اس کی علیّت بھی اگر ممکن الوجود ہو تو دوسری علیّت چاہتا ہے یہاں تک کہ ایک ایسی علیّت تک پہنچے جو ذاتاً واجب الوجود ہو اور علیّت سے بے نیاز ہو ، بلکہ تمام ممکن علتیں بلا واسطہ (مثل صدر اول) یا بالواسطہ (مثل باقی ممکنات) اس کی معلول ہیں ، اگر چہ علیّت قریب اور مباشر کے معنی میں یہ علیّت تامہ اور علیّت فاعلی کا جزء بھی ہے ۔

یہ ہے پہلے اور ابتدائی نظریہ کے لحاظ سے اور دوسرے نظریہ کے مطابق ممکنات میں حکم فرما واسطہ علیّت اور توقف وجودی کی بنا پر ، ممکنات کا پورا مجموعہ واحد ہوتا ہے جس کی علت تامہ واجب تعالیٰ ہے اور ممکنات میں سے ہر ایک کا ایجاد ان سب کی ایجاد ہے ، جیسے ، تفسیر میں اس کی وضاحت کی گئی ہے ۔

البتہ واضح ہے کہ دوسرا نظریہ پہلے نظریہ کی بنیاد پر مستحکم ہے ، کیونکہ پہلے نظریہ کے باطل ہو نے کی صورت میں قانون علت و معلول کا باطل ہو نا لازم ہو گا اور نتیجہ کے طور پر اثبات صانع کا طریقہ بالکل بند ہو گا ۔ واجب تعالیٰ کو علت کا جزء شمار کرنا آئیہ کریمہ : < لیس کمثلہ شیء > کے منافی نہیں ہے ، کیونکہ علیّت کی صداقت اور غیر واجب تعالیٰ کا سبب ، جب فیض کے واسطہ سے اور واجب تعالیٰ کا جعل ہو تو ، امکانی علل کو واجب کے مثل - جبکہ اس کی علیّت ذاتی و استقلال کی صورت میں ہو - نہیں بناتا ہے ۔ چنانچہ سائر صفات کمال مانند ، حیّ ، عالم ، قادر ، سمیع ، بصیر وغیرہ کی صداقت غیر واجب کی شرکت کی مستلزم نہیں ہے ، کیونکہ ممکن میں موجودہ صفت کمالی جعل اور اضافہ واجب پر منحصر ہے اور مستقل نہیں ہے ، اس کے بر خلاف واجب تعالیٰ اپنی صفات کمال میں ذاتی طور پر مستقل اور دوسرے سے بے نیاز ہے ۔

اسی طرح آیہ کریمہ : (فاطر/۳) کے منافی نہیں ہے اور آیہ کریمہ میں خالق سے مراد خالقیت سے مستقل خالق ہے جو خالقیت کی توصیف میں دوسروں کا محتاج نہ ہو ، کیونکہ قرآن مجید کی آیتیں خدا کے علاوہ دوسرے خالقوں کو ثابت کرتی ہیں :

(مؤمنون/۱۴)

(۳ مائدہ/۱۱۵)

اور اس سیاق کے بارے میں موجود دوسری آیات ۔

اس کے علاوہ قرآن مجید بہت سی آیات میں عمومی علیّت کے قانون کی تصدیق فرماتا ہے ، جیسے :

(سجدہ /۸-۷)

”اور انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا ہے ۔ اس کے بعد اس کی نسل کو ایک ذلیل پانی سے قرار دیا ہے ۔“

اور :

(نساء/۱)

”جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اس کا جوڑا بھی اس کی جنس سے پیدا کیا ہے اور پھر دونوں سے بکثرت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دئے ہیں“

یہ تصدیق مادی ہے اور مطلقاً ممکنات سے علیّت کی نفی اور واجب تعالیٰ سے اس کا حصر اشاعرہ سے منسوب ہے کہ اس کے ثبوت کا کوئی راستہ نہیں ہے ۔

آپ کی خدمت میں سلام و اخلاص کے ساتھ اپنے عرائض کو خاتمہ بخشتا ہوں ۔

عدم زمانی سے مسبوق مادہ کی پیدائش

سوال : مادہ کی ازلیت ذاتی اور ذاتی طور پر سابقہ ہونے کو کس دلیل سے نفی کیا جاسکتا ہے؟
جواب: ذاتی ازلیت اور ذاتی خدمت کی اصطلاح ایسی جگہ پر استعمال ہوتی ہے جہاں شے کی ذات عین ہستی وجود ہو اور ایسی چیز محال ہے کہ عدم اسے قبول کرے اور نتیجہ کے طور پر شے اپنے صفات اور حالات میں کسی قسم کی تغیر قبول نہیں کرے گی، اور بدیہی ہے کہ مادہ ایسا نہیں ہے۔ لیکن ظاہراً سوال میں ذاتی ازلیت اور ذاتی خدمت وہی زمانہ کے لحاظ سے قدیم ہے اور سوال یہ ہے کہ کیا مادہ (ایٹم) اپنی پیدائش میں مسبوق بہ عدم زمانی ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب مثبت ہے، کیونکہ علوم مادی کے نظریہ کے مطابق، ایٹم انرژي میں تبدیل ہو نے اور بر عکس کی قابلیت رکھتا ہے اور ہر ایٹم انرجی کے دبے ہوئے ذرات کا ایک مجموعہ ہے جو ایٹم کو تشکیل دیتے ہیں اور اسے وجود میں لاتے ہیں اور قہراً ایٹم مسبوق بہ عدم ہو تا ہے اور اس صورت میں، ایٹم اور انرژي کے درمیان ایک مشترک مادہ فرض کیا جانا چاہئے جس کی خاصیت صرف صورت و فعلیت کو قبول کرنا ہو گی اور اس بناء پر، یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ: فعلیت کو انجام دینے والا (صورت فاعل اور فعلیت) فرض مادہ ہے بلکہ یہ ایک ماورائے مادہ امر ہے اور مادہ اس فعلیت کے سایہ میں، فعلیت اور تحقق پاتا ہے، لہذا ہستی کا مشہود عالم، ایک ایسے فاعل کا فعل ہے جو ازلی اور ثابت و رائے عالم ہے اور وہ خدائے متعال ہے۔

ظلم کا وجود کیوں ہے ؟

سوال: سلام علیکم، آپ کا خط ملا، امید رکھتا ہوں آپ اس علمی جدوجہد میں کامیاب رہیں گے۔
آپ نے مرقوم فرمایا تھا:
”جس دنیا میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، اس میچاروں طرف ظلم پھیلا ہوا ہے۔ انسان اور حیوان سے جس قدر ممکن ہو سکتا ہے مظلوم کو زدوکوب کرتے ہیں یا بعض افراد ظالم کے بغیر بھی مظلوم ہیں، جیسے ایک بچے کا بیمار ہو نا۔ ہم ایک حیوان کو دیکھتے ہیں کہ کسی گناہ کے بغیر اپنے سے قوی تر حیوان کا شکار ہوا ہے اور اس کے ذریعہ بدترین صورت میں جان دیتا ہے۔“

جواب : بحث میں داخل ہونے سے پہلے تمہید کے طور پر جاننا چاہئے کہ خلقت کی بنیاد علیت و معلولیت پر ہے اور مادی دنیا ایک ناقابل استثناء اصول کی بنا پر ادارہ ہوتا ہے نہ کہ جذبات اور احساسات پر، مثلاً آگ کی خاصیت جلانا ہے خواہ کسی پیغمبر کا دامن ہو یا کسی ظالم کا لباس۔ درندہ حیوانات اور شکاری پرندے گوشت خواہیں جو اگر گوشت نہ کھائیں تو مر جائیں گے اور یہ حق انہیں تخلیق سے ہی بدن کی ساخت اور بناوٹ کے مطابق دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی ذمہ داری نہیں رکھتے، چنانچہ انسان بھی حیوانوں کے گوشت سے تغذیہ ہوتا ہے اور نفسیاتی طور پر کسی قسم کی مسئلہ لیت کا احساس نہیں کرتا ہے۔

مذکورہ بیان کے مطابق، ظلم (دوسروں کے حق پر تجاوز کرنے یا قوانین کے نفاذ میں امتیاز برتنے کے معنی میں) انسانی معاشرہ سے باہر وجود نہیں رکھتا ہے اور جن ناخوشگوار حوادث کا مشاہدہ ہوتا ہے انہیں ظلم نہیں کہنا چاہئے بلکہ یہ ایسے ”شرور“ ہیں جو اپنی پیدائش کی علت کی نسبت ”خیر“ ہوتے ہیں اور عمل کے موقع کی

نسبت سے شر اور علت، اپنے وجودی اقتضا کے مطابق اپنی کارکردگی کا حق رکھتے ہیں۔ ایک چھ مہینے کے بچہ کی بیماری ظلم نہیں ہے بلکہ شر اور ایک محرومیت ہے جو اسباب کی پیدائش کے نتیجہ میں بیمار ی کی صورت میں پیدا ہوئی ہے، بلی جو کتے کے پنجوں میں پھنس کر نا خوشگوار حالت سے دوچار ہوتی ہے، وہ شر ہے نہ کہ ظلم اور یہی بلی چوبے کے بارے میں یہی عمل انجام دیتی ہے اور اسے جائز جانتی ہے۔

جی ہاں! انسان اپنی زندگی کی فعالیت کو اپنی نفسانی خواہشات کے سایہ میں جذبات کی بناء پر اختیاری طور پر انجام دیتا ہے، اسی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں بے شمار اور گونا گوں نیاز مندیاں رکھتا ہے اور تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا، اس لئے وہ اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے اور فطری طور پر اپنے اجتماع کو استحکام بخشنے کے لئے اس نے کچھ واجب الاطاعت قوانین کو قبول کیا ہے، جن کی رو سے معاشرہ کے ہر فرد کے منافع کا، اجتماعی توازن کے مطابق، تحفظ کیا گیا ہے اور اس کے واجب الاطاعت حقوق ثبت کئے گئے ہیں، کہ قوانین کے مطابق ان کا تحفظ ضروری اور ان قوانین کی خلاف ورزی ممنوع ہے۔ ان ہی وضعی اور قراردادی حقوق کی پائمالی کو ظلم کہا جاتا ہے اور اسے جرم شمار کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شخص ناحق طور پر کسی کے ثابت حق پر جارحیت کر کے اسے پائمال کرے۔

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے اجتماعی ماحول سے باہر ظلم کا کوئی مصداق نہیں ہے اور بہر حال ظالم کو ظلم کرنے کا حق نہیں ہونا چاہئے۔ اس بناء پر تکوینی علتوں کے نا خوشگوار اثرات، جنہیں خلقت نے مجہز کر کے حق دیا ہے، شر ہیں نہ ظلم۔ اور اسی طرح جب انسان ایک اہم تر حق کے لئے کسی غیر اہم حق کو پائمال کرتا ہے وہ بھی شر ہے نہ ظلم اور اسی طرح ظلم کے مقابلہ میں ظالم سے لئے جانے والا قصاص ظالم کے لئے شر ہے نہ ظلم۔

(بقرہ/۱۹۲)

”لہذا جو تم پر زیادتی کرے تم بھی ویسا ہی برتاؤ کرو جیسی زیادتی اس نے کی ہے“

اسی طرح خدا سے نسبت دی جانے والی مصیبتیں اور ناخوشگوار حوادث بھی ایسے ہی ہیں، ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

آپ نے لکھا تھا: ایک صاحب کہتا تھا: جب ایک چھوٹے حیوان کو ایک قوی اور بڑا حیوان کھاتا ہے، تو بڑا حیوان ارتقاء پیدا کرتا ہے (یعنی کمزور حیوان کا گوشت بڑے حیوان کا جزو بن کر اسے مکمل تر کرتا ہے) بلی کا گوشت کتے کا جزو بننا کونسا ارتقاء ہے؟

یہ بیان، نظری ہے فلسفی اور صحیح اور یہ نظریہ ”حرکت جوہری“ کے فروعات میں سے ہے، لیکن چونکہ یہ مسئلہ فنی اور وسیع ہے، اس کو ایک یا دو خطوط میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

آپ نے مرقوم فرمایا تھا: ”کہتے ہیں تمام چیزوں کا مالک خدا ہے سب اسی کی ملکیت ہے، وہ خود جانتا ہے، میں بھی جانتا ہوں کہ وہ خود جانتا ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قرآن مجید واضح طور پر فرماتا ہے کہ خدا ہر گز ظلم نہیں کرتا ہے“

اس مطلب کا صحیح بیان یہ ہے کہ عالم خلقت میں جو کچھ ہے اور فرض کیا جانے والا ہر کمال، پروردگار عالم کی مطلق ملکیت ہے، جزئی سے لے کر کلی تک اس کا تحفہ اور بخشش ہے، اس کے بغیر کہ کسی بھی مخلوق کا استحقاق کی راہ سے خدا پر کوئی حق ہو جو اسے عطیہ و بخشش کے لئے مجبور کرے اور نہ کسی ایسی علت کے بارے میں فرض کیا جاسکتا ہے جس نے خدائے متعال پر اثر ڈال کر اسے کسی کام کو انجام دینے یا ترک کرنے پر مجبور کیا ہو اور جس حق کا بھی فرض کیا جائے اس کو جعل کرنے والا اور مالک خدا ہے، اسی طرح خدا کی

طرف سے کسی بھی مخلوق کو پہنچنے والی ہر مصیبت اور ناخوشگواہی خدا کا حق ہے اور وہ مخلوق اس سلسلہ میں خدا پر کوئی حق نہیں رکھتی:

(ابراہیم/۲۷)

”اور وہ جو بھی چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔“

لہذا اصولی طور پر وہ امر ظلم نہیں ہو گا نہ یہ کہ وہ ظلم ہے اور خدا سے ظلم قابل مذمت نہیں ہے۔ منتہی یہ کہ خدا کی نعمت و عطیہ ایک ایسی رحمت ہے جسے خدا نازل فرماتا ہے اور عذاب و مصیبت، رحمت نازل نہ کرنا ہے جو امر عدمی ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

(فاطر/۲)

”اللہ انسانوں کے لئے جو رحمت کا دروازہ کھول دے، اس کا کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس کو روک دے اس کا کوئی بھیجنے والا نہیں ہے۔“

بعض اوقات انسان کا ظلم اس کی اولاد میں منعکس ہو کر ظاہر ہو تا ہے، لیکن اس صورت میں بچہ کی مصیبت وہی اس کے باپ کا ظلم ہے نہ باپ کے ظلم کی سزا۔ لیکن قیامت کے دن گرفتار ہوئے حیوانات کی پاداش کے بارے میں قرآن مجید کے مطابق حیوانات کے لئے بھی روز محشر ہے :

(انعام/۳۸)

”اور زمین میں کوئی بھی رینگنے والا یا دونوں پروں سے پرواز کرنے والا طائر ایسا نہیں ہے جو اپنی جگہ پر تمہاری طرح کی جماعت نہ رکھتا ہو۔ ہم نے کتاب میں کسی شے کے بارے میں کوئی کمی نہیں کی ہے اس کے بعد سب اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔“

لیکن ان کے روز قیامت کے بارے میں تفصیلات بیان نہیں ہوئے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ خدائے متعال قیامت کے دن سینگ رکھنے والے حیوانوں سے بغیر سینگ والے حیوانوں کا قصاص لے گا۔ کلی طور پر کتاب و سنت سے یہ معلوم ہو تا ہے کہ کائنات اور اس میں جاری نظام میں کوئی بھی واقعہ مصلحت کے بغیر نہیں ہے خواہ ہم جانیں یا نہ جانیں۔ آپ نے لکھا تھا: میرے عرائض اور ناراحتی کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ دنیا میں ظلم ہے اور اکثر قصاص بھی نہیں ہو تا۔

۲۔ کہیں قیامت کے دن بھی ایسا ہی نہ ہو اور ان (حیوانات) کے لئے، جو مظلوم واقع ہوتے ہیں، قیامت کے دن کوئی جزا نہ ہو۔ ظلم کیوں ہوتا ہے، جبکہ اول سے ہی ظلم ایک غلط کام ہے؟

لیکن آپ نے جو یہ فرمایا ہے: ”اکثر ظلم میں قصاص نہیں ہوتا ہے“ حقیقت میں اکثر جس کو آپ نے ظلم کہا ہے، وہ شر ہے نہ ظلم اور قصاص ظلم میں ہو تا ہے نہ مطلق شر میں۔ شرور کے بارے میں کوئی مصلحت اور حکمت ہے۔ نظام خلقت کے بارے میں عموماً خصوصاً اور جن مواقع میں واقعاً ظلم ہو تا ہے اور کوئی حق پائمال ہو تا ہے اگر اس کا دنیا میں قصاص ہوا تو بہتر اور اگر دنیا میں قصاص نہ ہوا تو خدا کے واضح وعدوں کے مطابق آخرت میں ضرور ہو گا:

(رعد/۳۱)

”بیشک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ہے۔“

لیکن یہ کہ مظلوم حیوانات کے لئے قیامت کے دن جزا ہے یا نہیں؟ خدائے متعال نے آخرت کا (حمد/۴) روز جزا نام رکھا ہے اور حیوانات کے روز محشر کے بارے میں واضح طور پر ذکر فرمایا ہے اس کا ضروری پاداش ہو گا، لیکن یہ کیسے انجام پائے گا ہمارے لئے بیان نہیں فرمایا ہے، اسی قدر فرمایا ہے :-

”آج کسی طرح کاظم نہ ہو سکے گا۔“

انسان کی شخصیت اور قیامت کا دن

سوال: سائنس کے مطابق اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرنے اور دفن ہو نے کے بعد انسان کا بدن بعض عوامل کے تحت نائٹریٹ اور نائٹروجن میں تبدیل ہو تا ہے ، اس میں سے ایک حصہ مٹی میں جذب ہو تا ہے ، اور زراعت کے بعد یہی مواد کاشت کی گئی چیزوں میں جذب ہوتا ہے اور انسانوں کے ذریعہ انہیں استعمال کرنے کے بعد ، یہی مواد زندہ انسانوں کے نشو و نما کا سبب بنتا ہے اور اس طرح ایک نئے انسان کے بدن کے خلیوں کی بناوٹ کا سبب بنتا ہے۔

قیامت کے دن انسان کے دوبارہ زندہ ہو نے کی صورت میں ، پہلے انسان کے بدن کو بنانے میں اس کے مواد کو کیسے پورا کیا جائے گا ؟ اگر اسے اپنے پہلے مواد سے مکمل کیا جائے تو ، دوسرے شخص کا بدن نقص سے دوچار ہو جائے گا ، اگر مکمل نہ ہو جائے تو پہلے شخص کا بدن نا مکمل رہے گا!

جواب: سائنسی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انسان کے بدن کے اجزاء اس کی پوری عمر کے دوران تجزیہ و تغیرات کے نتیجہ میں ہر چند سال کے بعد ایک بار سر تا پا مکمل طور پر تبدیل ہو کر پہلے اجزاء کی جگہ لیتے ہیں وراس کے باوجود یہ شخص بالکل وہی سابقہ انسان ہو تا ہے اور اس کے بدن کے اجزاء کا بدل جانا اس کی شخصیت کے بدلنے میں کوئی اثر نہیں ڈالتا ہے ۔

صاف ظاہر ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کم وبیش پچاس ، ساٹھ سال عمر کرنے کے بعد واضح طور پر مشاہدہ کرتا ہے کہ وہی انسان ہے جو کبھی بچہ تھا ، کبھی جوان اور اب بوڑھا ہو چکا ہے ، اور جس حقیقت کا وہ لفظ میں سے تعبیر کرتا ہے ، ہم اسے ”نفس“ کہتے ہیں ، اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ہے اور اپنی جگہ پر پائدار اور ثابت ہے اور اسی طرح جو شخص جن جرائم کو بچپن میں انجام دیتا ہے ، ان کے مرتکب ہونے کی وجہ سے اسے بوڑھا پے میں سزا دی جاتی ہے ۔

اس نظریہ کے مطابق انسان کی شخصیت اس کے نفس سے ہے نہ بدن سے انسان کے بدن کے مادہ میں سے کچھ حصہ کے نابود ہو نے سے ، اسی نفس کے ساتھ تعلق کے فرض کی بناء پر انسان کی شخصیت تبدیل نہیں ہو تی اور اگر قیامت کے دن انسان کا نفس اس کے بدن کے تغیر یافتہ اور نابود ہو ئے اجزاء میں سے جن اجزاء سے بھی تعلق پیدا کرے ، یا ان میں کسی بھی قسم کی کمی ہو اور دوسرے اجزاء سے مکمل ہو جائے ، تو انسان کا بدن وہی دنیا کا بدن ہو گا اور شخص انسان وہی دنیوی انسان ہو گا ۔